International Journal of Islamic Studies & Culture *ISSN-2709-3905*
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192 *PISSN2709-3891*
(Volume.4, Issue.2 (2024)
(April-June)

A Review of Cholestasis Elements in Prose Literature

نثری ادب میں چولستانی عناصر کا جائزہ

Dr. Shazia Andleeb
Assistant Professor Urdu
Dr. Zahid Akhter Shaeen
Associate Professor Urdu visiting
Saima BiBi
Scholars MS Urdu
Sajida Bano
Khawaja Fareed University of Engineering & information Technology, Rahim Yar Khan

Abstract

Prose refers to simple and common speech in which words are not manipulated. It is based on reality and there is no illusion and simplicity in it, it is called prose. Every region has its own customs which affect the life of the people living in that region, such as dialects, ceremonies, rituals, etc. which also affect literature. The Cholistan region of South Punjab is rich in the beauty of nature. The dialects, customs, and daily needs of the people of this region are different from other regions. In Urdu prose literature, fiction, drama, novel, the characteristics of Cholistani elements are visible in many places.

نثر سے مراد سادہ اور عام گفتگو ہے جس میں لفظوں کا ہیر پھیر نہ ہو۔ حقیقت پر مبنی ہو اور اس میں کسی بھی قسم کا وہم و گمان نہ ہو سادگی پائی جاتی ہو، اس کو نثر کہتے ہیں۔ ہر خطے کے اپنے رسم رواج ہوتے ہے جو اس علاقے کے رہنے والوں کی زندگی پر اثرانداز ہوتے ہیں مثلا بولیاں، تقریبات، رسومات وغیرہ جو ادب کو بھی متاثر کرتے ہے۔ جنوبی پنجاب کا علاقہ چولستان قدررت کے حسن سے مالامال ہے اس علاقے کے رہنے والوں کی بولیاں، رسومات، اور زندگی کے روزمرہ کی ضروریات دوسرے علاقوں سے مختلف ہیں۔ اردو کے نثری ادب افسانے، ڈرامے، ناول میں کئی جگہ چولستانی عناصر کے خدوخال نمایاں نظر آتے ہیں۔ پنجاب میں افسانے کی ابتداء ڈویژن ملتان سے ہوئی، محکمہ تعلیم کے مجلے نخلستان سے شائع ہوا کرتا تھا۔ اس مجلے میں تعلیمی سرگرمیوں پر بات کی جاتی تھی۔ اس شائع ہونے والے مجلے میں علمی و تعلیمی سرگرمیوں کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ ذکاء الرحمن نے ویسے تو بہت سے افسانے لکھے لیکن ان کے کچھ افسانوں کا موضوعات روزمرہ زندگی سے لیے گئے ہیں ذکاء الرحمن نے اپنے افسانوں کا موضوع صحرائے چولستان بنایا ہے ان افسانوں میں ایسی کہانیاں لکھی ہیں جو سیاسی، اقتصادی اور معاشی سطح پر جنوبی پنجاب کے لوگوں کی مشکلات کو کھول کر بیان کیا ہے۔

بقول ڈاکٹر انوار احمد:

> "اردو افسانے میں ذکاء الرحمن نے پہلی مرتبہ صحرائی پنجاب کی روح کو اتارنے کی کوشش کی ہے، یہ صحرائی ثقافت اُجڑیا متمدن باشندوں کی بے ریا روحون کی فطرت سے مکالمے کے پنجے میں چولستان کے ذرے ذرے میں آباد دکھائی دیتی ہے"(1)

بیگانیر اور مروٹ کے صحرا میں رہنے والے لوگوں کے مسائل اور انکو درپیش مشکلات کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ اس جدید دور میں بھی جب کہ انسان چاند پر پہنچ چکا ہے، لیکن ان لوگوں کی زندگی محرومیوں سے بھری پڑی ہے اور وہ ایسے جدید دور میں بھی وہ ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

> "ہڈیوں کے اندر تک اتر جانے والی سردی بدن کو بھوننے والی گرمی، آنکھوں کے اندرونی پردوں کو بھی جھلسا دینے والی مرمر ٹوبھے کا گدلا پانی سب اس کا مقدر اور آج بھی وہاں رہنے والے ہر انسان کا مقدر ہے"(2)

ذکاءالرحمن نے صحرا کی گرمی کو اپنے افسانے میں بیان کیا ہے کہ صحرا کی دھوپ لوگوں کو اور ان کے جسم کو رنگت کو بھی جھلسا دیتی ہے ان لوگوں کی اس حالت سے کوئی بھی شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ چولستانی لوگ ہیں جس طرح سے گرمی وہاں پر شدت اختیار کر لیتی ہے اس طرح سے سردی بھی شدید پڑتی ہے کیونکہ دن میں فضا میں موجود نمی کو جذب کر لیتی ہے اور جیسے ہی رات ہوتی ہے تو وہ ریت برف کی مانند ٹھنڈی پڑ جاتی ہے جس سے سردی میں شدید اضافہ ہوتا ہے۔

افسانے میں نذیر علی شاہ نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے ان کے ایک افسانے "اماں پانی" میں انہوں نے روہی میں رہنے والے لوگوں کی زندگی کو بیان کیا ہے اور خاص طور پر انہوں نے عورت کے بارے میں لکھا ہے کہ عورت کو ہمیشہ بے بس اور مجبور سمجھا ہے اور اس کا استحصال کیا ہے وہاں کی عورت ہمیشہ قربانی دیتی ہے اور ہمیشہ اپنوں سے ملنے کے لیے بے قرار رہتی ہے، عورت کی بے بسی کو نذیر علی شاہ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے

> "چنانچہ چنن مائی جس کے سر سے اس کی اپنی یاد میں کبھی سر کی اوڑھنی کھسکی تک نہ تھی معاملے کی نذاکت کے خوف سے بد حواس کانپتی کانپتی سر ننگا ہونے کی بے حیائی شرمسار قافلے کا کل جماعت کے سامنے دست بستہ اپیل کا مجسمہ بِدت کی بگڑی برادریوں میں ایک عظیم الشان انقلاب اور ہیجان پیدا کر چکی تھی"(3)

امجد جاوید جنوبی پنجاب کے ناول نگاروں میں ان کا نام صفحہ اول میں رکھا جاتا ہے، جنوبی پنجاب کے شہر حاصل پور کے باسی ہیں جو کہ روہی یا چولستان کے شمال اور دریائے ستلج کے جنوبی کنارے پر واقع ہے وہاں کے باسی ہونے کی وجہ سے صحرا اور دریا ان کی شخصیت میں بہت اہمیت کے حامل ہیں انہوں نے ویسے تو بہت سے ناول لکھے لیکن چند ناول ایسے ہیں جن کا موضوع چولستان یا روہی ہے اس میں انہوں نے ہر ایک عناصر کو تفصیل سے بیان کیا، روہی کے بارے میں وہی شخص ہی بیان کر سکتا ہے جس پر چولستان کے اثرات پڑے ہوں۔

اسی طرح انہوں نے ایک ناول "عشق کا قاف" لکھا ہے جس میں ایک طالب علم ہے جو روہی جاتا ہے وہاں کے لوگوں کے حالات واقعات اتنا متاثر ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے وہاں رہنا چاہتا ہے روہی میں لوگوں کی نفسیات رسم و رواج وہاں کے لوگوں کے رہن سہن کو امجد جاوید نے اس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ جو بھی پڑھتا ہے تو اس کو روہی کی خوشبو آنے لگ جاتی ہو۔

امجد جاوید نے روہی کی بہترین الفاظ میں منظر کشی کی ہے، انہوں نے سورج کے نکلنے، شام کے مناظر اور ریت کی رنگت پر بھی منظر کشی کی ہے۔

بقول امجد جاوید

> "شام کے سائے پھیل رہے تھے، صحرا میں پھیلے ہوئے مویشی بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر آ گئے تھے ایسے میں کچی بستی کی ایک گلی میں مہرو چلی جا رہی تھی جو بھی اسے دیکھتا حیران رہ جاتا اس نے صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھے"(4)

جمیلہ ہاشمی ایک بہت بڑی ناول نگار ہیں، اور ناول نگاری میں انہوں نے اپنا لوہا منوایا ہے انہوں نے بہت سے ناول لکھے ہیں، اس طرح سے چولستان پر بھی انہوں نے ناول لکھے ہیں، جن میں سے ایک "روہی" کے نام سے مشہور ہے جس میں انہوں نے وہاں کے لوگ ان کے رسم و رواج ان کے کام کاج ان کی عورتوں کی بہترین اور سادہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس ناول "روہی" میں انہوں نے اس ناول کے مرکزی کردار "بابا" کا پوتا ہے جو سرحد ہر ایک فوجی ہے اس علاقے کا نام "روہی" ہے جہاں پر خشک سالی اور قحط ہے اس طرح روہی کے لوگ یہاں سے قحط سے بچنے کے لیے دوسرے علاقے میں جاتے ہیں اور جب یہاں پر بارش کی وجہ سے پانی بھر جاتا ہے اور سبزہ اگ آتا ہے تو یہ لوگ واپس آ جاتے ہیں ناول کے دوسرے کرداروں میں "مریم" ہے جو روہی میں رہتی ہے اور اس کی شادی طے ہو جاتی ہے اس کی ایک سپاہی سے طے ہوتی ہے کیونہ وہ سپاہی تھا اس لیے وہ ایک حملے میں مارا جاتا ہے اس طرح "بابا" ہر وقت اپنے پوتے کو سمجھاتے رہتے ہیں کہ وہ زندگی میں ذمہ دار بنے اس طرح وہ اپنے دادا کی تلقین کو سنتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے۔

مریم ایک عام اور سSادہ سی لڑکی ہے لیکن وہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہے اور اپنے دل میں کوئی بھی احساس پیدا نہیں کرتی۔

مریم کے الفاظ:

> "ہم روہی کی لڑکیاں صرف بکا کرتی ہیں جو سب سے زیادہ بولی دے وہ لے جاتا ہے محبت کرنا ہم شادی کے بعد سیکھتی ہیں"(5)

اسی طرح ڈرامہ نگاری میں بھی روہی کا ذکر ملتا ہے روہی جو کہ پہلے سرسبز و شاداب تھی ہر طرف ہریالی تھی اب وہاں پر ریت اور جھاڑیوں کے سوا کچھ نہیں، وہاں کے رہنے والے لوگ پانی کو ترستے ہیں ان کے جانور بھی پانی کو ترستے ہیں، جب وہاں پر ٹوبھے میں پانی ختم ہو جاتا ہے تو لوگ پانی کے لیے ترستے ہیں اور کچھ تو دور علاقوں میں چلے جاتے ہیں جہاں پر پانی کا وسائل ہوتا ہے، پیاس سے نڈھال لوگ رو رو کر اللہ پاک سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

شاہ مرید بہاولپور کا رہنے والا ایک نوجوان تھا جو کہ اپنی بیوی کو بات بات پر مارا کرتا تھا اس طرح ایک دن اس کی بیوی نے جب شاہ مرید اس کو مارنے کے لیے اس کی طرف آیا تو اس نے اس کے مارنے سے پہلے ہی اس پر وار کر دیتی ہے جس کی وجہ سے اس کا شوہر بے ہوش ہو گیا، اسکو ایسا لگتا ہے کہ اس کا شوہر مر گیا ہے، اس کا شوہر اس کو ہر وقت مارتا تھا اور اس کو طرح طرح کے طعنے دیتا تھا اس کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیے وہ اس کو ہر وقت بانجھ ہونے کا طعنہ بھی دیتا تھا، آخر کار ایک دن وہ اس کے طعنوں سے تنگ آ کر اسکو مار کر بھاگ جاتی ہے۔ اس طرح اس نے صحرا کا رُخ کیا بھاگتی ہوئی وہ صحراء میں بھوک اور پیاس سے بھاگی بے ہوش حالت میں ایک نوجوان سانول اور اس کی ماں اور بہن کو ملی اس کو بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر وہ لوگ اپنے گھر لے آئے اور اس کو بہت عزت اور پیار سے رکھنے لگے وہ اس سے پیار سے پوچھتے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو مگر وہ ان کو کچھ نہیں بتاتی اور ان سے کہتی ہے کہ اس کا اور دنیا میں کوئی نہیں ہے اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ آخر کار چند دن تک وہ ان کے گھر میں رہتی ہے اور پھر وہ لوگ اس کی شادی اپنے بیٹے سانول کے ساتھ کروا دیتے ہیں وہ اس بات کی وجہ سے کہ بھاگی ایک جوان لڑکی ہے اور اس کو اس طرح گھر میں بٹھانا مناسب نہیں ہے۔ اس طرح دوسری طرف شاہ مرید بھاگی کو تلاش کرتا پھرتا تھا آخر کار ایک دن جب بھاگی اپنے شوہر کے ساتھ ٹوبھے پر جاتی ہے تو وہاں شاہ مرید اس کو سانول کے ساتھ دیکھ لیتا ہے اور اس کو گھر چلنے کا کہتا ہے اس پر وہ اس کو کہتی ہے کہ میں اب تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی کیونکہ میں شادی کر چکی ہوں۔

اس طرح شاہ مرید بھاگی سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کرتا ہے کہ اپنا سارا گھر بار بیچ کر وہاں اس کے گھر کے ساتھ کنواں بنواتا ہے کیونکہ وہاں پر پانی کی قلت تھی اور اس طرح اس نے یہ کنواں بنوایا تاکہ بھاگی جب کنویں سے پانی نکالنے آئے تو وہ اسے دیکھ سکے۔

اصغر ندیم سید نے یہ ڈرامہ دریا اس لیے لکھا کہ چولستان کے لوگ جو کہ پانی سے محروم ہیں اور ضروریات زندگی سے محروم ہیں ان کو زبان دی ہے، ڈرامہ دریا کو پیش کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ لوگوں کے مسائل کو بیان کیا جا سکے، چولستان کے لوگوں کی زندگی کو دیکھا جائے تو اک دردناک زندگی محسوس ہوتی ہے اور اس ڈرامے سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ انہیں پانی کے لیے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شاہ مرید: روہی کو ملنے آیا ہوں تسی روہی کو

شادو: ہاں روہی تسی ہے بارش کوئی نہیں ہوئی

شاہ مرید: تمہارا گھڑا خالی ہے

شادو: سب کے گھڑے خالی ہیں میری ماں بیمار ہے میں گارے میں سے چکا پانی لینے آئی ہوں

ڈرامہ جندو

اسی طرح ایک اور ڈرامہ جو کہ آج کل ٹیلی وژن پر نشر کیا جا رہا ہے س کا نام "جندو" ہے اس ڈرامے میں ظلم اور بربریت اور روہی کے لوگوں پر مسلط سرداروں کے انوکھے اور عجیب روایات کو دیکھایا گیا ہے جس میں ان کی تمام زندگی کی مشکلات کو پیش کیا گیا ہے اس میں مرکزی کردار ایک لڑکی کا ہے جس کا نام جندو ہے وہ اس ظلم اور جاہلیت کے خلاف آواز اٹھاتی ہے اور اس ظلم کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس تمام کوشش میں وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ظلم کا خاتمہ کرنے میں لگی رہتی ہے، یہ جو چولستان کے رہنے والے لوگ ہیں یہ اتنے سیدھے سادھے ہیں کہ ان پر جتنا بھی ظلم کیا جاتا ہے یہ چپ چاپ اس ظلم کو برداشت کرتے ہیں نہ ہی وہ کبھی قانون کا سہارا لیتے ہیں کہ یہ ظلم اور ناانصافی ختم ہو سکے اس لیے "جندو" کہتی ہے کہ میں اس ظلم سے لڑوں گی اور اس ظلم اور ناانصافی کا خاتمہ کر کے ہی رہوں گی ایک دفعہ جب وہاں کا سردار جب "جندو" کی بہن پر غلط نظر ڈالتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ لڑکی مجھے دے دو یہ لڑکی میری آنکھوں میں لالی کی طرح اتر آئی ہے۔

جندو کے الفاظ

"اپنا منہ ٹوبھے کے پانی سے جا کے دھولے ساری لالی صاف ہو جائے گی"

غیر افسانوی

چولستان میں ہر طرف ریت کے پہاڑ موجود ہیں اس پہاڑ کو روہ کہتے ہیں یا اس کا مطلب ہے "روہی"

بقول احمد غزالی:

> "تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح کی بات ہے صحرائے چولستان کے وسط میں دریائے سرسوتی ٹھاٹھیں مارتا ہوا گزرتا تھا اس دریا کو آج بھی ہاکڑہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، چولستان کے باسی اس دریا کے روپوش ہو جانے کا ذکر کرتے ہیں، لیکن وہ نہیں جانتے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اس دریا کا خشک ہو جانا صدیوں پرانا واقعہ ہے لیکن اس کو بیان کرتے وقت چولستان پر ہر شخص یوں بات کرتا ہے جیسے اس کا آنکھوں دیکھا واقعہ ہو" (6)

ہم لوگ جسے روہی کہتے ہیں یا چولستان آج سے کئی ہزار سال پہلے آباد تھا یہاں پر بستیاں تھیں، بازار تھے، دریا تھے، باغات اور فصلیں ہوا کرتی تھیں مگر جیسے جیسے یہاں کے دریا خشک ہوتے گئے تمام باغات فصلیں، بستیاں سب غیر آباد ہوتی چلی گئی چولستان کے حوالے سے لافانی شعر لکھنے والے خواجہ غلام فرید جو کہ محبت اور انسان دوست شاعر تھے انہوں نے زندگی کی تمام سہولیات کا ذکر کیا ہے وہاں پر انہوں نے پانی سے محروم ہو کر چولستان میں جا کر محبت کے پھول بکھیرے ہیں۔

خواجہ فرید کے اپنی زندگی کا بہت زیادہ حصہ روہی میں گزرا اور ان کی خواہش تھی کہ وہ اپنی زندگی کے چند لمحات اپنے خاندان کے ساتھ روہی میں گزاریں، روہی کی مٹی روہی کی قربت ان کو اتنی عزیز تھی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ اس سے محبت تھی اور خواجہ صاحب اس بات کا درس دیتے ہیں کہ جس سے ہمیں محبت ہو اس پر اپنی جان بھی قربان کر دینی چاہیے۔

تمام ضروریات زندگی سے بھرپور زندگی تو تمام انسانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ تمام سہولیات اس کے پاس موجود ہوں مگر اس تمام سہولیات کے بغیر زندگی گزارنا آسان نہیں اور اصل مزہ تو اس میں ہے کہ تمام سہولیات زندگی سے دور تنہائی میں بغیر پانی اور سہولیات کے زندگی گزاری جائے اور مشکل میں رہ کر بھی اپنی محبت کے ساتھ زندگی گزاری جائے یہی سچی محبت اور عشق ہے اس کے علاوہ خواجہ صاحب نے چولستان جسے روہی کہتے ہیں اپنی شاعری میں جابجا اس کا ذکر کیا ہے اور پورے چولستان کو اس میں بیان کیا ہے چولستان کے بڑے بڑے میدانوں اور ریت کے برے برے ٹیلوں کا ذکر کیا ہے انہوں نے روہی کے باسیوں اور ان کے رہن سہن ان کے پہناؤں اور خاص طور پر چولستان کی عورت کے بارے میں لکھا ہے انہوں نے اپنی شاعری میں چولستانی عورت کا خوبصورت انداز میں اس کو بیان کیا ہے اور وہ کس طرح سے اتنی مشکلات میں بھی گزارہ کرتی ہیں اور اپنے پیاروں سے دوری بھی برداشت کرتی ہے اور احسن طریقے سے اپنا گھر سمبھالتی ہے اس کو بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ انہوں نے وہاں کے باسیوں کا حلیہ اور ان کے خاص انداز و بیان کے بارے میں لکھا ہے انہوں نے چولستان میں موجود تمام عناصر کو تفصیلاً بیان کیا ہے انہوں نے چولستان کے برے سے بڑے ٹیلے سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی بات اور ریت کے ذروں اور غرض ان کے کھنڈروں میں موجود کانٹوں ان کے پھولوں اور پھلوں کے بارے میں بھی لکھا ہے انہوں نے اس طرح ہر چیز کو بیان کرنے کے انداز سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کو روہی سے بے پناہ محبت تھی تو انہوں نے روہی سے آخری حد تک اپنی محبت کو بیان کیا ہے اور اس کو اپنے لفظوں میں خوبصورت انداز میں لکھا ہے۔

دیوان فرید کا مطالعہ کرنے کے بعد ہمیں خواجہ صاحب کی کافیوں میں جابجا چولستان کا عکس ملتا ہے اور جس سے چولستان اور بھی خوبصورت نظر آتا ہے چولستان کا ذکر کرتے ہوئے خواجہ صاحب کی کافیوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: "پیلوں پک گئے ہیں آؤ مل جل کر دوست اس ریگستانی میوے کو چنیں اور لطف حاصل کریں۔"

"مختلف رنگ کے پیلوں میں سبز و سفید و زرد بھورے، پھیکے نیلے، گلنار، دودی اور سرخ رنگ کے ہیں اس اختلاف رنگ نے صحراء کے اس دلفریب پھل کو دلکش بنا دیا ہے اور منظر کو زیادہ دلفریب بنا دیا ہے"

ریگستان نمونہ بہشت بنا ہوا ہے دکھ اور غم کی جڑیں سوکھ کر جل گئی ہیں، (یعنی غم و رنج کا نشان باقی نہیں رہا) اب ہر جگہ باغ و بہار کا سا لطف ہے اے دوست تو نے بھی یہ ساکھ (میوہ) چکھا ہے"

"پیلوں اور ڈیلھے کے رنگارنگ پھلوں سے ریگستان باغ وگلزار بن گیا ہے پیلوں چننے والے بھی حسب پسند مختلف صورتوں میں یہ پھل جمع کر رہے ہیں بعض کے گلے میں ٹوکریاں میں بعض کے سروں پر کھاریاں میں بعض پچھیاں ٹوکریاں بھر بھر کر ڈھیر جمع کر بیٹھی ہیں، خرمن بنالیا ہے"

> "پیلوں کی بہار کی وجہ سے صحرا میں ہر چھوٹے بڑے جال کے درخت پر انسانی ہجوم اور آبادی کا منظر ہے، سینکڑوں ہزاروں لوگ جمع ہیں اور خوش و خرم ہیں اور جگہ جگہ انہوں نے جھونپڑیاں ڈال کر بستیاں آباد کر رکھی ہیں یہ سب لوگ پیلوں چننے کی خاطر جنگل میں منگل بنا رہے ہیں" (7)

اس کافی میں خواجہ صاحب روہی کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دوست یہاں پر پیلوں پکے ہوئے ہیں، آؤ مل کر ان کو چنیں اور یہاں کے موسم کا لطف اٹھائیں اس کافی میں خواجہ صاحب روہی کے میوے کا ذکر کرتے ہیں اور دوستوں کو دعوت دیتے ہیں کہ مل کر اس میوے کو کھائیں۔ اور ان کے رنگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان مختلف رنگوں نے جو پیلوں کیونکہ مختلف رنگ کے ہیں اور ان رنگوں کی وجہ سے روہی چمک رہی ہے اور ان رنگوں نے روہی کو خوبصورت بنایا ہوا ہے جس کو دیکھ کر روہی بہشت کی صورت اختیار کر رہی ہے۔

اس میوے نے روہی میں بہار کا سماں پیدا کیا ہوا ہے ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں دکھ اور غم کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، اور اس طرح انہوں نے پیلوں چننے والوں کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ انہوں نے گلے میں ٹوکریاں ڈالی ہوتی ہیں ہر شخص مختلف انداز میں پیلوں چن رہے ہیں اور لوگوں نے بہت سارے پیلوں چن رکھے ہیں۔

خواجہ صاحب پیلوں چننے کے شوق کو بیان کرتے ہیں کہ لوگ ان کو چننے کی خاطر دور دور سے آئے ہوئے ہیں اور لوگوں کو یہ میوہ اتنا پسند ہے کہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں یہاں جمع ہیں ایسا لگتا ہے جیسے کوئی میلہ لگا ہو، روہی آباد نظر آتی ہے اور جگہ جگہ پر لوگوں نے جھونپڑیاں بنائی ہوئی ہیں اور وہاں پر انہوں نے پیلوں جمع کر رکھے ہیں۔

سوانح عمری

زاہد شمی نے اپنی کتاب "زندہ لمحے" میں اپنی سوانح عمری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان کو روہی یعنی چولستان سے بہت لگاؤ اور محبت ہے اور چولستان سے اسی محبت میں وہ اکثر روہی کے بارے میں کہتے ہیں کہ میرا بس نہیں چلتا کہ میں روہی کے لیے دریا بہا کر لے آؤں اور وہ چولستان سے بے حد محبت رکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کا روہی کی طرف جانا ہوا تو انہوں نے اپنی سوانح عمری میں اس کا خوبصورت انداز میں ذکر کیا ہے کہ کس طرح سے انہوں نے روہی میں رات گزاری اور اس رات کا سارا منظر پیش کیا ہے کہ کس طرح چاند اور اس کی چاندنی روہی کے دامن میں کھیل رہی تھی اور اس طرح انہوں نے کس طرح روہی میں رات گزاری تمام چیزوں کو انہوں نے خوبصورت طریقے سے پیش کرتے ہوئے لکھا ہے۔

> "ہم چودھویں کے چاند اور اس روہ پہلی کرنوں کے حسن العکاس صحرا کے ذروں میں دیکھنا چاہتے تھے کہ چاند کے آنچل اور روہی کے ذرات کا آنچل کا ملاپ کن کیفیات کو جنم لیتا ہے . (8)"

اور پر تاثیر بات جو لکھی ہے وہ یہی تھی کہ انہوں نے روہی اور اس میں اپنی گزری ہوئی رات کو کبھی نہیں بھول سکتے وہ رات ان کی حسین یادوں میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہے گی۔

آپ بیتی

ادریس آفتاب اپنی کتاب فرشتے کی ایف۔ آئی۔ آر میں اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وہ اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ چولستان میں ڈسپنسری کا کام کرتے تھے اور قدیر نے ڈسپنسری پر اپنے چھوٹے بھائی کو کام سکھانے کی غرض سے ساتھ لے جاتا ہے لیکن ادریس کا وہاں جانے کا دل نہیں کرتا لیکن اسے مجبوراً وہاں جانا پڑتا ہے وہاں جانے کے بعد بھی اس کا دل نہیں لگتا وہ ہمیشہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے وہ کئی بار بھاگنے کی کوشش کرتا ہے مگر ناکام ہو جاتا ہے۔

> "میں نے اگر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی تو صحراء میں گم ہو کر فنا ہو جاؤں گا" (9)

چولستان کیونکہ صرف صحراء پر واقعہ ہے وہاں پر کوئی راستہ نہیں پایا جاتا تو اس لیے اگر روہی میں بھی انسان راستہ بھٹک جائے تو وہ روہی میں گھوم گھوم کر مر جاتا ہے مگر اسکو راستہ تلاش نہیں ہوتا۔

داستان سسی پنوں

چولستان کے نثری ادب میں اگر دیکھا جائے تو ادب میں بہت ساری ایسی داستانیں، قصے، کہانیاں لکھی گئی ہیں جو کہ چولستان میں رونما ہوئی ہیں اور ان کا چولستان سے بہت گہرا تعلق ہے اور یہ خاص چولستان میں ہوتی ہیں ان کو مختلف ادیبوں نے مختلف زبانوں اور انداز میں لکھا ہے ان میں سب سے مشہور اور اہم داستان جو لکھی گئی ہے اور وہ صحراء چولستان کی ریت میں اس کے نشانات ملتے ہیں۔"وہ سسی پنوں" کی محبت کی داستان ہے جو بہت بار لکھی پڑھی اور سنی گئی ہے مختلف ادیبوں نے اس کو مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔

خواجہ صاحب اس داستان عشق کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

ترجمہ:

"اے پنوں بلوچ تجھ کو رتی بھر رحم نہیں آتا دیکھ تو غریب بے چاری سسی روہ اور پہاروں میں ماری ماری پھرتی ہے اور وہ عشق کی ماری ہوئی اکیلی تن تنہا آوارہ سرگرداں ہے" (10)

آدم جام جو کہ بھمبھور شہر کا بادشاہ تھا اور وہ بے اولاد تھا اس نے بہت کوشش کی مگر اس کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی ایک دن اس نے نجومیوں کو بلوایا اور انہوں نے بادشاہ کا ہاتھ دیکھ کر بتایا کہ بادشاہ آپ کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوگی اور وہ ایک بلوچ کے عشق میں مبتلا ہوگی اور آپ کی عزت خاک میں ملائے گی بادشاہ نے جب اپنی عزت کے بارے میں سوچا تو اس نے ایک ترغیب سوچی کہ جیسے ولی بیٹی پیدا ہوگی اسکو میں دریا میں بہا دوں گا، اس طرح بالکل جب لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے ایک صندوق تیار کروایا اور اس میں بہت سارے زیورات رکھے اور ساتھ میں لڑکی کو بھی اس سندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دیا۔

اس طرح وہ صندوق دریا میں بہتا بہتا ایک "اتا" نامی دھوبی کے ہاتھ لگ گیا جو دریا کے کنارے کپڑے دھو رہا تھا اس نے صندوق کو دیکھا تو اس صندوق کو دریا سے نکال کر اپنے گھر لے آیا، دھوبی بے اولاد تھا اس نے جب صندوق میں بچی کو دیکھا تو وہ اور اس کی بیوی بہت خوش ہوئے اور اس بچی کو اپنی بیٹی بنا لیا اور اس کی پرورش کرنے لگے۔اس طرح بیٹی کے ماں باپ چاہتے تھے کہ سسی اب بڑی ہوگئی ہے اس کی کسی جگہ پر شادی کردی جائے تو اس سلسلے میں بہت سارے دھوبی کے بڑے بڑے گھرانوں سے اس کے لیے رشتے آئے اور جب اس کے ماں باپ اس سے شادی کا پوچھتے تو وہ شرماتی اور کوئی جواب نہ دیتی۔اس طرح جب "اتا" نے کسی بھی جگہ اس کا رشتہ طے نہ کیا تو "اتا" کے رشتے داروں نے ضد میں آکر وہ لوگ بادشاہ کے پاس چلے گئے اور بادشاہ سے کہا کہ ایک لڑکی ہے جو بہت زیادہ خوبصورت ہے وہ آپ کے قابل ہے اس طرح بادشاہ نے "اتا" کے پاس شادی کا پیغام بھیجا تو اس پیغام کے جواب میں سسی نے اپنے گلے سے تعویذ اتار کر بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔جب بادشاہ نے تعویذ دیکھا تو بہت حیران ہوا اور سوچا کہ یہ تعویذ تو وہی ہے جو میں نے اپنی بیٹی کے گلے میں دریا میں اسکو بہاتے وقت ڈالا تھا اس طرح بادشاہ اور اس کی بیوی جو کہ اپنی بیٹی کی جدائی میں روتی رہتی تھی انہوں نے سسی سے ملنے کی خواہش کی تو سسی نے ملنے سے انکار کردیا۔شہر بھنبھور میں ایک سوداگر رہتا تھا جس کا نام غزنی تھا اس کا شوق باغ لگانا اور ان میں دنیا کے حسین و جمیل شہزادوں کی تصویریں لگانا اس کے پاس دنیا کے قابل ترین مصور بھی تھے انہوں نے اپنے کمال فن سے باغ میں شہزاوں کی تصویریں بنائی ہوئی تھی ان میں ایک تصویر ہوت علی کی بھی تھی جو کیچ کے علاقے کا رہنے والا تھا۔

سسی اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ کی سیر کرنے کو گئی تو وہاں پر اس کو وہ شہزادہ پسند آجاتا ہے تو سسی نے اس شہزادے کا پتہ پوچھا تو مصوروں نے جواب دیا کہ یہ ایک تھل کیچ کے علاقے کا شہزادہ ہے جس کا نام پنوں ہے۔پنوں ایک خوبصورت اور جوان لڑکا تھا۔

اس طرح سسی نے اپنے باپ سے کہا تمام پہرے دار اپنے اور گھات پر انکو بیٹھا دیا اور انکو کہا کہ یہاں سے اگر کوئی مسافر گزرے تو مجھے اس کے بارے میں خبر کرنا۔ایسے ہی ایک برس گزر گیا اس طرح کیچ کی طرف سے اونٹوں پر ایک قافلہ گزرا جو کہ بلوچوں کا تھا وہ اتنے خوبصورت تھے اگر کوئی بھی ان کو دیکھ لیتا تو ان کا دیوانہ ہو جاتا۔سسی کے ملازم نے اس کو آکر بتایا کہ چند مسافر آئے ہیں جو کیچ سے آئے ہیں اور انکے لباس خوبصورت ہیں اور ان کی چال ڈھال مختلف ہیں۔سسی ان کے انتظار میں تھی ان کے آنے کا سُن کر اس کی جان میں جان آگئی، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی، سسی نے بلوچوں کو شہر میں انکو روک لیا اور انکی خوب خدمت کی، اور ان کے ہوت پنوں کا حال دریافت کرنے لگی تو بلوچوں نے لالچ میں آکر سسی سے کہا کہ وہ تو ہمارا بھائی ہے تو سسی نے ان سب کو قید کر لیا تاکہ اس کی ملاقات پنوں سے ہو سکے۔اس کے بعد بلوچوں نے سوچا کہ ہماری رہائی سرف پنوں کے ہاتھ میں ہے، اس طرح انہوں نے اپنے ایک سربراہ کو کیچ شہر کی طرف روانہ کیا اور وہاں جا کر اس کے بادشاہ سے سب حال احوال بیان کیا کہ بلوچوں کی رہائی

صرف پنوں کے جانے سے ہوگی تو اس پر بادشاہ نے کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہم چند بلوچوں کی خاطر اپنے شہزادے کی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔ اور پنوں کی ماں نے جب ساری بات سُنی تو کہا کہ میں اپنی ساری سلطنت اپنے بیٹے پر قربان کردوں تم چند لوگوں کی بات کرتے ہو، جب شہزادہ کو پنوں کے ماں کی بات نے انکار کر دیا تو وہ پنوں کے پاس گیا اور اس نے سسی کے حسن و جمال کے بارے میں پنوں کو بتایا اور اس کو بتایا کہ وہ کس طرح اس کے عشق میں مبتلا ہے اور اس کے عشق میں اسکو نیند اور بھوک کی بھی کوئی خبر نہیں ہے جب پنوں نے سارا واقعہ سنا تو وہ بھی سسی کے عشق میں مبتلا ہونے لگا۔

اس کے بعد وہ شہر بھنبھور کی طرف روانہ ہو گئے اس طرح ان کو ایک لمبا سفر کرنا پڑا اور دوسرے دن کی صبح کو وہ بلوچ شہر میں پہنچے انہوں نے سسی کے ساتھ ضد میں اس باغ جو بہت زیادہ خوبصورت تھا اس میں طرح طرح کے پھول تھے، نہریں تھیں، سب اونٹوں کو اس باغ میں چرنے کے لیے چھوڑ دیا اس طرح تمام اونٹوں نے باغ کو برباد کر دیا تھا اور تمام پھول کھا گئے سسی نے جب باغ کا حال دیکھا تو سوچا کس کی اتنی جرت ہے کہ باغ کا یہ حال کرے پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ شاید ہوت پنوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔ سسی اور اس کی سہیلیاں باغ میں گئی اور انہوں نے پودوں کی ٹہنیوں سے ان بلوچوں کو مارا باغ میں ایک خوبصورت سیج بنائی گئی تھی جس پر ہر وقت سسی پھول بچھا کر رکھتی تھی پنوں اس سیج پر سویا ہوا تھا جب سسی نے قریب جا کر دیکھا تو اس کے تمام خواب پورے ہوئے لوگوں کا شور سن کر پنوں جب نیند سے بیدار ہوا تو اس کی نظر سسی کے حسن پر پری جو بہت ہی زیادہ تھا اس نے اس کو دیکھا اور وہیں پر دل مل گئے۔ کاروان واپس جانے کو تیار ہوا تو انہوں نے پنوں کو ساتھ چلنے کا کہا مگر پنوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد کاروان واپس چلا گیا اور واپس جا کر انہوں نے سارا حال ہوت علی کو بیان کر دیا تمام شہر کے لوگ پنوں کی یاد میں رونے لگے، پنوں کے بھائی اونٹوں پر سوار ہوئے اور ساتھ میں تیز شراب بھی چھپا کر ساتھ لے آئے وہ پنوں کے پاس آئے اور اس کو ملے اور رات کو اس کو تیز شراب پلا کر اپنے ساتھ واپس لے گئے، اور سسی کے پھر دوبارہ سے رونے دھونے کے دن شروع ہو گئے۔

پنوں کی جدائی میں سسی اپنے بال کھول لیتی ہے، رونے دھونے لگ جاتی ہے اور کہتی ہے کہ اگر مجھے پتہ ہوتا کہ میرے ساتھ اتنا برا ہوگا تو میں کبھی نہ سوتی، سسی کو ماں بہت سمجھاتی ہے لیکن سسی ایک نہیں سنتی اور کہتی ہے کہ میں جاتی ہوں پنوں کو تلاش کرنے اگر میرے نصیب میں ہوگا تو مجھے ضرور مل جائے گا پنوں وہ یہ کہہ کر تھل کی طرف نکل کر چل پڑتی ہے راستے بہت خطرناک ہوتے ہیں ہر طرف گرم ریت ہی ریت ہوتی ہے اور اتنے صحرا میں نہ کوئی پانی کا وسائل نہ ہی وہاں کوئی انسان نظر آتا ہے ہر طرف پھوگ لاڑی اور پیلوں کے درختوں کے سوا کچھ نہیں نظر آتا اتنی گرم ریت کہ پاؤں پر چھالے پڑ جاتے ہیں لیکن پھر بھی ہمت بلند رکھتی ہے۔

پھر اس کو اونٹ کے پاؤں کے نشانات ملتے ہیں۔ اس کو صرف ایک اونٹ کا نشان ملا اور وہ اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی، مگر اسکو دوسرا نشان نہیں ملا وہ اور ادھر ادھر گھومتی رہتی کبھی بھوک پیاس سے تڑپتی کبھی آہ و پکار کرتی گرتی پڑتی مگر اس کو کوئی دوسرا نشان نہ ملا۔

آخر اس نے اونٹ کے پاؤں کے نشان پر سر رکھ کر جان دے دی۔

سسی کے الفاظ

"اے محبوب تو خوش رہے ہم نے تو تیری خاطر تھلوں میں اپنی جان گواں دی۔"(11)

ایک بکریاں چرانے والا چرواہا جو وہاں پر کھڑا تھا وہ دیکھ رہا تھا کہ اتنی خوبصورت عورت بے ہوش ہو کر ادھر گر پڑی اور ہلتی بھی نہیں جا کر دیکھوں تو سہی دیکھتا ہے جا کر تو وہ مر چکی ہوتی ہے پھر اس کی روح پنوں کے پاس جا کر کہتی ہے کہ سسی تھل میں پڑی ہے جاؤ تم تو وہ جاتا ہے تو سسی کی قبر بن چکی ہوتی ہے اور وہ دفن ہو چکی ہوتی ہے تو وہ پنوں اس چرواہے سے پوچھتا ہے کہ یہ کس کی قبر ہے تو وہ بتاتا ہے کہ یہ ایک حسین و جمیل لڑکی تھی جو کہ ادھر فوت ہو گئی ہے یہ اس کی قبر ہے تو پھر پنوں دعا کرتا ہے تو قبر کھل جاتی ہے پنوں بھی وہاں دفن ہو جاتا ہے۔

لوک کہانیاں

چولستان کے لوگ آپس میں مل بیٹھ کر بہت ساری کہانیاں اور قصے ایک دوسرے کو سناتے ہیں یہ لوک کہانیاں ان کی تفریحی پروگرام کا محور ہوتی ہیں، رات کے وقت جب یہ لوگ جمع ہوتے ہیں تو یہ لوگ ایک دوسرے کو مختلف قسم کی کہانیاں سناتے ہیں اور لُطف اندوز ہوتے ہیں، ان میں ایک کہانی "قبر کا سلام" نہ عورت کا کیا مانتا نہ سر کٹواتا اور بھی بہت سی کہانیاں شامل ہیں۔

قبر کا سلام

یہ ایک چولستانی لوک کہانی ہے جس میں ایک کراڑ مہاجن نامی شخص جو کہ مذہبی طور پر ایک ہندو تھا اس کو گنگا جانے کا بہت شوق تھا مگر وہ چولستان کے راستوں اور اونٹ کو چلانا نہیں جانتا تھا لیکن اس کو گنگا بھی جانا لازمی تھا چنانچہ اس شوق میں اس نے ایسا شخص تلاش کرنا شروع کر دیا جو کہ یہ دونوں مہارتیں رکھتا ہو آخر اس کی تلاش ختم ہوئی اس کو ایک "روہیلا" مل گیا جو کہ چولستان کے ہر راستے سے واقفیت رکھتا تھا اور ساتھ میں اونٹ چلانا بھی جانتا تھا اس طرح کرار کو اپنا شوق پورا کرنے کے لیے وہ شخص مل گیا جو اس کو اس کی منزل تک پہنچا سکتا تھا چنانچہ کراڑ نے روہیلے کو آمادہ کرنا شروع کیا کہ وہ اسے گنگا لے جائے اس طرح اس روہیلے نے کراڑ کے ساتھ جانے کے لیے اس کے سامنے دو شرطیں رکھیں، ایک یہ کہ وہ اس سب کام کے اس سے پیسے وصول کرے گا اور دوسرا راستے میں اگر کچھ بھی اس کو سمجھ نہ آیا تو وہ اس سے کچھ بھی پوچھ سکتا ہے اگر وہ کراڑ اس کو وہ بات نہ بتا سکا تو وہ اس کی منزل تک نہیں لے کر جائے گا۔

یہ محض ڈرامے، قصے کہانیاں، ناول، افسانے نہیں ہیں بلکہ ادب میں چولستانی تہذیب کا اثر ہے۔ اس تہذیب کی تقریبات، رسم رواج اور زندگی کے مسائل کا بیان ہے جو ادب پر اثرانداز ہوتا نظر آرہا ہے اور ادب کو اپنے رنگ میں تبدیل کر رہا ہے۔

حوالہ جات

1۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ"، مقتدرہ قومی زبان اسلام پورہ 2007ء، ص 275
2۔ ذکاء الرحمن، "درد آئے گا دبے پاؤں"، میری لائبریری، لاہور 1967ء، ص 8
3۔ نذیر علی شاہ، بریگیڈیئر، "آبادکار" تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور، 1939ء ص 16
4۔ امجد جاوید، "عشق کا قاف" علم و عرف پبلشرز لاہور، 2009ء ص 140
5۔ جمیلہ ہاشمی، "روہی"، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1970ء، ص 30
6۔ اصغر ندیم سید، "ڈرامہ دریا" سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 1991ء، ص 115
6۔ عارف معین بلے، "روہی کے خدوخال" ایکشن ایڈ انٹر نیشنل پاکستان رحیم یار خان، 2007ء، ص 191
7۔ ظہور احمد دھریجہ، "دیوان فرید"، جھوک پرنٹرز ملتان، 2010ء، ص 546
8۔ سید زاہد ہشمی، "زندہ لمحے (سوانح حیات)"، آرٹ اینڈ لائف پبلشنگ ہاؤس، 2021ء، ص 432
9۔ ادریس آفتاب، "فرشتے کی ایف آئی آر"، ساگر پبلی کیشنز لاہور، 2011ء، ص 98
10۔ ظہور احمد دھریجہ، "دیوان فرید"، جھوک پرنٹرز ملتان، 2010ء، ص 804
11۔ ہاشم شاہ، "سسی پنوں" مقتدرہ قومی زبان، 2002ء ص 100